آنگن کا تہذیبی مطالعہ

محمد پرویز خان

شعبۂ اردو، الہ آباد یونیورسٹی، الہ آباد (یوپی)، موبائل: 9696150910

اردو فکشن کی دنیا میں خدیجہ مستور ایک اہم نام ہے۔ اس کے باوجود ان کی تحریروں اور نگارشات پر اتنی توجہ نہیں دی گئی جتنی توجہ دیے جانے کا حق تھا۔ تاہم خال خال تحریریں ضرور ملتی ہیں جن سے ان کی ادبی خدمات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ان کی ان ادبی خدمات کا آغاز افسانے سے ہوا اور اس طرح ان کے یکے بعد دیگرے پانچ افسانوی مجموعے منظرِ عام پر آئے۔ تاہم خدیجہ مستور کو ان کے ناولوں 'آنگن' اور 'زمین' کی وجہ سے شہرت ملی، لیکن ان کو جس ناول نے مقبولِ عام بنایا وہ ان کا شاہکار ناول ''آنگن'' ہے۔ جو ۱۹۶۲ء میں منظرِ عام پر آیا۔ اس ناول کی مقبولیت اور کامیابی کی وجہ سے ہی انھیں آدم جی ایوارڈ سے نوازا گیا۔ خدیجہ مستور کا یہ ناول اردو کے علاوہ ہندی، بنگالی، گجراتی، روسی، انگریزی اور چینی زبانوں میں ترجمہ ہو کر شائع ہو چکا ہے۔ ۳۵۲ صفحات پر مشتمل آنگن کی کہانی ایک متوسط مسلم گھرانے سے تعلق رکھنے والے خاندان کی کہانی ہے۔ جس کو تحریکِ آزادی اور تقسیمِ ہند سے قبل اور بعد کے حالات کے پس منظر میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ وہ دور تھا جب نہ صرف ہندوستان بلکہ پوری دنیا سیاسی، سماجی اور تہذیبی تبدیلیوں سے دو چار تھی۔ خدیجہ مستور نے انہی تبدیلیوں کو اپنے اسلوب کا جامہ پہنایا ہے، جو ماضی اور حال کے عنوان سے دو حصوں میں منقسم ہے۔ اس کے علاوہ ناول ''آنگن'' میں موضوعات کے لحاظ سے مختلف تین سطحیں پائی جاتی ہیں۔ جن میں پہلی سطح جاگیردارانہ نظام جو گھریلو زندگی سے متعلق ہے۔ دوسری سطح تحریک آزادی کے حوالے سے ہے۔ جبکہ تیسری اور آخری سطح ملک کی تقسیم کے نتیجے میں ہجرت کے خوفناک حالات پر محیط ہے۔

اس ناول کا آغاز صوبہ اتر پردیش کے ایک جاگیردارانہ گھرانے سے متعلق افراد کی ذہنی کشمکش سے ہوتا ہے، جس میں دوسری جنگِ عظیم کے کچھ پہلے سے لے کر ملک کی آزادی اور پاکستان کے قیام کے کچھ برسوں بعد تک کے حالات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ تاہم 'آنگن' میں واقعات کا پس منظر بھلے ہی تحریکِ آزادی کے ہنگامہ خیز حالات رہے ہوں، لیکن یہ خدیجہ مستور کا کمال ہے کہ انھوں نے اس پر سیاسی اور تاریخی رنگ نہیں چڑھنے دیا۔

آنگن کا اصل قصہ مرکزی کردار عالیہ کی زندگی سے متعلق ہے، اس کی زندگی میں پیش آئے ہجرت کے تین واقعات کی ترجمانی کرتا ہے۔ جن میں عالیہ کی پہلی ہجرت وہ کہی جا سکتی ہے جب وہ اپنے گھر سے بڑے چچا کے گھر منتقل ہوتی ہے، ہجرت کا دوسرا واقعہ دس ماہ کے لیے علی گڑھ کا قیام ہے، جب کہ تیسری اور سب سے اہم ہجرت کا واقعہ ہندوستان سے پاکستان منتقل ہونے کا ہے۔

اسی وجہ سے قصے کی ابتدا آپ بیتی کے طرز میں ہوتی ہے یعنی کہ صوبہ اتر پردیش کے ایک چھوٹے سے شہر میں کوئی مسلم زمیندار کا خاندان رہا کرتا تھا۔ خاندان کے سربراہ جو اپنے زمیندارانہ رسوخ کے لیے تو مشہور تھے ہی اپنی عیاشیوں کے لیے بھی جانے گئے۔ چنانچہ ان کی اپنی بیوی سے تین بیٹے اور دو بیٹیوں کے علاوہ ایک داشتہ سے بھی ان کی تین اولادیں تھیں، جن میں دو کی وفات ہو چکی تھی جبکہ تیسرے یعنی اسرار میاں با حیات تھے جو گھر کی تمام ذمہ داریاں سنبھالنے کے باوجود خاندان کے تمام افراد کے درمیان اپنے وجود کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ ان کے اپنے حقیقی تین بیٹوں میں بڑے کا کردار ناول میں 'بڑے چچا' کے نام سے موسوم ہے جو زمیندار صاحب کی وفات کے بعد حویلی کے سرپرست ہیں۔ بڑے چچا سیاسی فکر و خیال کے اعتبار سے انڈین نیشنل کانگریس اور مہاتما گاندھی کے نظریے کے حامی تھے۔ وہیں ان کے دوسرے بھائی مظہر میاں جو تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ سرکاری ملازم بھی ہیں، ناول کی مرکزی کردار عالیہ کے والد ہیں۔ مظہر میاں انگریزوں سے ان کی حکمت عملیوں کے سبب سخت نفرت کرتے ہیں، ایک انگریز حاکم کے قتل کے جرم میں سات سال قید کی سزا کے درمیان انتقال کر جاتے ہیں۔ مرحوم زمیندار صاحب کے حقیقی بیٹوں میں تیسرے اور

آخری بیٹے ظفر میاں ہیں، جو حیدرآباد دکن میں رہتے ہیں۔ظفر میاں کی پہلی بیوی کا انتقال ہو چکا ہے جس سے ان کی ایک بیٹی شمیہ ہے جسے گھر میں سب چھمی کے نام سے پکارتے ہیں۔علاوہ ازیں ظفر میاں نے کئی شادیاں کی تھیں جن کا ذکر ناول میں ملتا ہے۔ زمیندار صاحب کی دو بیٹیاں سلمیٰ اور نجمہ ہیں۔سلمیٰ جوان کی بڑی بیٹی ہے، اپنے گھر میں کام کرنے والے کسان کے بیٹے سے محبت کر بیٹھتی ہے اور اسی محبت کے سبب خاندانی رسوخ کی پروا کئے بغیر بھاگ کر شادی کر لیتی ہے۔جواب انتقال کر چکی ہے اور اس سے ایک بیٹا صفدر ہے۔بہن کی موت کے بعد اس کے بچے صفدر کی پرورش کا ذمہ مظفر میاں اپنے سر لے لیتے ہیں۔ مظفر صاحب اپنے بھانجے کی پرورش کے ساتھ ہی اپنی بڑی بیٹی تہمینہ سے اس کی شادی کے خواہش مند بھی ہیں، لیکن ان کے اس خیال سے ان کی بیوی متفق نہیں۔ وہ صفدر سے اس کی والدہ کی خود کی مرضی سے کی گئی شادی کے سبب نفرت کرتی ہیں۔ چنانچہ صفدر حصولِ تعلیم کے بہانے علی گڑھ چلا جاتا ہے جہاں وہ کمیونسٹ پارٹی کا حصہ بن جاتا ہے۔

زمیندار صاحب کی دوسری بیٹی نجمہ ہے جو اعلیٰ تعلیم یافتہ اور سرکاری ملازم ہونے کے سبب خود کو سب سے برتر خیال کرتی ہے۔ لہٰذا وہ انگریزی نہ بول پانے والوں کو جاہل سمجھتی ہے۔

ظفر میاں کی بیٹی چھمی والدہ کے انتقال کے بعد بڑے چچا کے گھر رہنے لگتی ہے۔ کیونکہ اسے اپنی نئی ماؤں کے ساتھ رہنا دشوار لگتا ہے۔ چھمی اپنے فکر وخیال سے مسلم لیگ کی زبردست حمایتی ہے، چنانچہ وہ اپنے بڑے چچا جو کانگریس اور گاندھی سے متاثر ہیں، کی مخالفت کے باوجود مسلم لیگ کے جلسے منعقد کرتی ہے اور لیگ کی حمایت میں نعرے بھی لگواتی ہے۔

بڑے چچا کی دو اولادیں جمیل اور شکیل ہیں۔جمیل تعلیم یافتہ ہے اور مزاجاً انگریزوں اور ہندوؤں سے سخت نفرت کرتا ہے۔جمیل اپنے والد کی کانگریس پرستی سے بھی ناخوش ہے چنانچہ وہ دوسری جنگِ عظیم میں شرکت کو روانہ ہو جاتا ہے۔شکیل بھی گھر والوں کی بے توجہی سے نالاں ہو کر سب کو خیر باد کہہ دیتا ہے۔

مظہر میاں کی بڑی بیٹی تہمینہ جو ناول کے پہلے حصے کی ہیروئن ہے، اپنے پھوپھی زاد بھائی صفدر سے محبت کرنے لگتی ہے، لیکن چونکہ تہمینہ کی والدہ صفدر سے نفرت کرتی ہیں اس لیے وہ تہمینہ کا رشتہ صفدر کے بجائے بڑے چچا کے بڑے بیٹے جمیل سے طے کر دیتی ہیں۔شادی کی تیاریوں کے بیچ ہی تہمینہ محبت کی ناکامی سے مایوس ہو کر خودکشی کر لیتی ہے۔تہمینہ کی موت کے بعد ناول میں عالیہ کی زندگی کا سفر شروع ہوتا ہے اور عالیہ کی زندگی کا یہی سفر ناول کا دوسرا اور مرکزی حصہ ہے جس سے ناول کے پلاٹ کی تعمیر ہوتی ہے۔

ناول کا دوسرا حصہ جس میں عالیہ مرکزی کردار ہے، بڑے چچا کے گھر میں لیٹی نیند کے لیے جدو جہد کر رہی ہے۔ناول کا پہلا حصہ جو ماضی کے واقعات کی شکل میں ہے، عالیہ کی اسی کیفیت کی روداد ہیں گویا نیند نہ آنے کے سبب وہ ماضی کی یادوں میں کھوسی گئی تھی۔تہمینہ کی زندگی کے اس دردناک انجام جیسی ایک اور بھی مثال ناول میں ملتی ہے۔یوں کہیں تو تہمینہ کو اسی واقعے سے خودکشی کا حوصلہ ملتا ہے۔واقعہ یہ ہے کہ ایک ہندو لڑکی کُسم جو عہدِ جوانی میں ہی بیوہ ہو جاتی ہے اور اس کی زندگی پھر سے آباد ہو اس میں فرسودہ سماجی رسم ورواج آڑے آجاتے ہیں چنانچہ وہ کسی کے ساتھ بھاگ کر زندگی آباد کرنے کی ناکام کوشش کرتی ہے، جس کی قیمت اسے خودکشی کر کے چکانی پڑتی ہے۔ تہمینہ کُسم کے اس فیصلے کو اپنی زندگی کے لیے بھی ذریعۂ نجات مان کر خودکشی کر لیتی ہے۔ڈاکٹر احسن فاروقی تہمینہ کی موت کے المیہ کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''ماضی کا حصہ ایک عجیب وغریب المیہ ہے جو تیر ونشتر کی طرح دل میں اتر جاتا ہے یہ یوفانی ٹریجڈی سے مختلف ہے کیونکہ اس کے کردار اپنی بربادی کے مختار نہیں ۔ماحول کی جکڑ بندیوں، کُسم دیدی اور تہمینہ دونوں سے خودکشی کرواتی ہیں۔ ہندومت اور اماں کی ہٹ دھرمی ماحول کے رجحان ہیں جن کے سامنے دونوں لڑکیاں بے بس ہیں اور مکمل طور پر پسپا ہو کر رہتی ہیں۔''

(بحوالہ آنگن پر دوسری نظر: از ڈاکٹر احسن فاروقی،
فنون، لاہور، مئی، جون ۱۹۶۵ء ص:۳۶)

ناول میں ایک اہم موڑ عالیہ کے والد کے جیل جانے والے واقعے سے پیش آتا ہے جب عالیہ کی والدہ اپنے بھائی سے مدد مانگتی ہیں تو وہ اس خیال سے کہ اس کی بیوی انگریز ہے اور عالیہ کے والد کسی انگریز حاکم کے قتل کے جرم میں سزا یافتہ ، مدد سے انکار کر دیتے ہیں۔ بالآخر انہیں بڑے چچا کے گھر میں سہارا ملتا ہے۔یہیں سے ناول کا دوسرا حصہ جو عالیہ کی زندگی پر محیط ہے، شروع ہوتا ہے۔

بڑے چچا کا گھر مختلف سیاسی نظریات کے ماننے والوں کا گھر ہے۔جس میں بڑے چچا کانگریس کے سرگرم رکن ہیں جب کہ ان کا بڑا

بیٹا جمیل اور بھتیجی چھمی مسلم لیگ سے وابستہ ہیں۔ علاوہ ازیں بڑی چچی نیک سیرت گھریلو عورت ہیں تو کریمن بوا برسوں سے اس گھر میں اپنی خدمات انجام دے رہی ملازمہ۔ چھمی جمیل سے محبت کرتی ہے اور جمیل عالیہ کو پسند کرتا ہے، لیکن چونکہ عالیہ نے اپنی زندگی میں کسم اور بڑی بہن تہمینہ کی ناکام محبت کا دردناک انجام دیکھا تھا لہٰذا وہ محبت کے ان روایتی احساسوں سے سخت نفرت کرتی ہے۔ ناول میں زندگی کے ایسے نشیب و فراز، کرداروں کی باہمی محبت اور نفرت کے احساس کے ساتھ ہی، مختلف سیاسی نظریات کی آپسی کشمکش کے نمونے جا بجا دیکھنے کو ملتے ہیں۔ تقسیم ہند کے بعد عالیہ اپنی والدہ کے ہم راہ پاکستان منتقل ہو جاتی ہے، جہاں اس کے ماموں ان کے رہنے کے لیے فسادات کا شکار ہوئے کسی ہندو کی کوٹھی الاٹ کروا دیتے ہیں۔

ناول کا آخری حصہ ڈرامائی انداز کے واقعات سے بھرا ہوا ہے۔ جس میں شکیل کا پولیس کی پکڑ سے بچنے کی جدوجہد میں عالیہ سے ملنا، اسی طرح صفدر کا بھی اس کی زندگی میں نمودار ہونا کس قدر ڈرامائی رنگ لیے ہوئے ہے۔ صفدر سے مل کر عالیہ اس کی زندگی بھر کی محرومیوں اور تکلیفوں کو یاد کر کے اس سے اپنی ہم دردی جتاتے ہوئے شادی کو راضی ہو جاتی ہے۔ صفدر بھی عالیہ کی والدہ کو منانے کی حتی الامکان کوشش کرتا ہے، لیکن اس کی یہ کوشش اسے عالیہ سے دور کر دیتی ہے اور بالآخر عالیہ شادی سے انکار کر دیتی ہے اور اس طرح ناول کا قصہ تمام ہوتا ہے۔ ناول کے اس انجام کے متعلق ڈاکٹر احسن فاروقی لکھتے ہیں:

''کس قدر زوردار، کس قدر پراثر خاتمہ ہے، شاید اردو کا کوئی ناول اس کمال کے ساتھ نہیں ختم ہوتا۔ شروع کرنا مشکل ہے۔ ختم کرنا شاید اس سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ جو بھی اردو ناولیں آج تک لکھے گئے ہیں۔ ان سب کے خاتموں کو سامنے لائیے کوئی اس سے لگا نہیں کھاتا۔''

(بحوالہ آنگن پر دوسری نظر: از ڈاکٹر احسن فاروقی، فنون، لاہور: مئی، جون ۱۹۶۵ء ص: ۳۶)

'آنگن' کے پلاٹ کی بات کی جائے تو یہ روایتی پلاٹ کی نمائندگی کرتا ہے۔ جس میں انتہا، عروج اور انجام کی تکنیک کا بخوبی استعمال ہوا ہے۔ ناول کے تمام واقعات ایک دوسرے سے اس طرح جڑے ہوئے ہیں کہ کہیں بھی ان کا سلسلہ ٹوٹتا ہوا نظر نہیں آتا۔ جو بقول ڈاکٹر سہیل بخاری:

''آنگن ناول کا پلاٹ اکہرا اور سادہ ہے جسے مصنفہ نے المیہ بنانے کی کوشش کی ہے۔''

(بحوالہ: اردو ناول کی تاریخ و تنقید: از ڈاکٹر سہیل بخاری، لاء اکیڈمی لاہور: ۱۹۶۶ء ص: ۳۵۹)

کردار نگاری کے اعتبار سے 'آنگن' اردو کے کامیاب ترین ناولوں میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ ناول کے کرداروں میں عالیہ اور چھمی کا کردار سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ عالیہ مسلم گھرانے کی نمائندہ کردار ہونے کے ساتھ ہی ایک تعلیم یافتہ، باشعور اور حساس طبیعت والی لڑکی ہے۔ وہیں عالیہ کی بڑی بہن تہمینہ مشرقی تہذیب کی دل دادہ ہے، لیکن زندگی میں پیش آنے والے حالات کا ڈٹ کر سامنا کرنے کے بجائے وہ صفدر سے شادی نہ کر پانے کے سبب اپنی ادھوری خواہشوں کا گلا گھونٹنے کے لیے خودکشی کر لیتی ہے۔ ناول میں چھوٹے بڑے اور بھی کئی کردار ہیں جن میں بڑے چچا، بڑی چچی، مظہر میاں، عالیہ، تہمینہ، ظفر میاں، چھمی، سلمیٰ اور نجمہ وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ ناول میں کئی ضمنی کردار بھی ہیں جن میں اسرار میاں کا کردار سب سے جاندار ہے۔ ان تمام کرداروں میں نسوانی کرداروں کی پیش کش مرد کرداروں کی بہ نسبت زیادہ جاندار ہے جنھیں سجانے اور سنوارنے میں خدیجہ مستور کے اصل جوہر کھل کر سامنے آئے ہیں۔ ناول میں ماضی اور حال کے واقعات کی جوز مین تیار ہوئی ہے وہ عالیہ کے کردار کے ہی اردگرد گھومتی ہوئی نظر آتی ہے۔ عالیہ کے کردار کو خدیجہ مستور نے بڑی خوبی سے تراشا ہے۔ گویا عالیہ کے اس کردار کے پس منظر میں کہیں نہ کہیں خدیجہ مستور نے قاری کو اپنی زندگی اور شخصیت سے متعارف کرایا ہے۔ عالیہ جو ایک تعلیم یافتہ، باشعور اور حساس طبیعت رکھنے والی لڑکی ہے۔ زندگی کے تمام نشیب و فراز، تلخیوں اور سچائیوں سے بھی بخوبی واقفیت رکھتی ہے لہٰذا حالات کے پیچ و خم سے وہ حوصلہ ہار کر کسم اور تہمینہ کی طرح ان مشکلوں کے آگے گھٹنے ٹیکنے کے بجائے وہ زندگی میں پیش آئی ہر تلخی کا ہنستے ہوئے سامنا کرتی ہے۔ تہمینہ خودکشی سے قبل جب عالیہ سے گھر کے حالات اور اپنی ناکام محبت کی داستان سناتی ہے تو عالیہ کے اندر بہن کی اس بیچارگی کو دیکھ کر ہم دردی کا جذبہ پھوٹ پڑتا ہے۔ چنانچہ صفدر کے ساتھ اپنی ماں کے برے سلوک کو وہ غلط ضرور مانتی ہے، لیکن ان سب کے باوجود اسے اپنے خاندانی وقار کی بھی فکر ہے۔ لہٰذا سلمہ پھوپھی کا اپنے خاندانی وقار کو درکنار کرتے ہوئے غریب کسان سے شادی کرنے کو بھی وہ جرم خیال کرتی ہے۔ اسی طرح ناول کے آخر میں جب صفدر سے اس کی ملاقات ہوتی ہے تو وہ صفدر کے ساتھ ہوئی ناانصافیوں

اورمحرومیوں کے سبب اس سے ہم دردانہ سلوک کرتی ہے اوراس کی بے رنگ زندگی میں خوشیوں کے رنگ بھرنے کی غرض سے شادی کوراضی ہو جاتی ہے،لیکن اگلے ہی پل جب اسے صفدر میں خودغرضانہ تبدیلیوں کا احساس ہوتا ہے کہ صفدراب وہ صفدرنہیں رہے جن کے لیے اس کی بہن تہمینہ نے خودکشی تھی لہٰذا وہ شادی سے انکار کر دیتی ہے اور اس سے اجنبیوں کی طرح پیش آتی ہے۔عالیہ کے کردار کا جائزہ لیتے ہوئے ڈاکٹرمحمداحسن فاروقی لکھتے ہیں:

''یہ جمن کی طرح آزاد ہے اورنہ رخشندہ کی طرح انٹلیکچول وہ ایک گھریلولڑکی ہے جو خدیجہ مستور کی سیدھی سادی کردارنگاری کا بہترین نمونہ ہے۔''

(بحوالہ: آنگن تبصرہ: ڈاکٹرمحمداحسن فاروقی،
قومی زبان: کراچی اپریل۱۹۶۴ء،ص:۲۰)

عالیہ کے بعد'آنگن' میں دوسرااہم کردار چھمی کا ہے۔چھمی مرحوم زمیندارصاحب کے تیسرے بیٹے ظفرمیاں کی اکلوتی اولاد ہے جوان کی پہلی بیوی سے ہوئی تھی۔بچپن میں ہی ماں کا سایہ اٹھ جانے اور والد کی دوسری شادیاں کرنے کے سبب چھمی مزاجاً باغی، بے باک اور بدتمیز ہوچکی تھی۔اسے اپنی دوسری ماؤں کے ساتھ رہنا پسند نہیں چنانچہ وہ بڑے چچا کے گھر رہنے لگتی ہے۔چھمی کا کردار عالیہ کے بالکل برعکس ہے۔عالیہ اپنی سنجیدہ طبیعت اورسمجھ سے جہاں ایک شریف خاندان کی بیٹی کی صورت میں سامنے آتی ہے۔تو وہیں چھمی خاندان کی باغی بیٹی کے طور پر۔جواپنی متضادحرکتوں سے پورے ناول کا سب سے فعال، زندہ اورمتحرک کردار ہے اوراس طرح وہ ناول کی دلچسپی کوشروع تا آخر بنائے رکھتی ہے۔چھمی کی اس بغاوت کے پسِ پشت اس کے گھر کے وہ حالات ذمہ دار ہیں جس میں اس کے والداور بڑے چچا کا متعددشادیاں کرنے یاسیاست میں دلچسپی کے سبب گھر اور گھر والوں کی ذمہ داریوں سے ان کی بے خبری ہے۔چھمی کا اپنے والد سے نفرت اور بڑے چچا کے سیاسی نظریے کے خلاف مسلم لیگ کی زبردست حمایت کرنا بھی اسی بغاوت کی دین ہے۔چھمی عالیہ کی طرح پڑھی لکھی تو نہیں،لیکن اس میں حالات سے لڑنے کا ایک حوصلہ ہے وہ عالیہ کی طرح خاموش رہ جانے میں یقین نہیں رکھتی بلکہ اپنے مضبوط عزم وارادے سے اپنی شخصیت کی شناخت قائم کرتی ہے۔

ناول کے ضمنی کرداروں میں اسرارمیاں کا کردار خاصہ اہم ہے۔ اسرارمیاں کا کردار جاگیردارانہ نظام کی ہوس پرستی کا عبرت آموزنمونہ کہا جاسکتا ہے۔اسرارمیاں عالیہ کے دادا یعنی زمیندارصاحب کی کسی ہندو داشتہ سے ہوئی ناجائز اولاد ہیں۔اسرارمیاں بڑے چچا کے کپڑوں کی دکان پر کام کرنے کے علاوہ گھر کی تمام ذمہ داریاں سنبھالتے ہیں،اس کے باوجود بھی یہ ان کی زندگی کا المیہ ہی ہے کہ عالیہ کے علاوہ گھر کا کوئی بھی فرد ان سے ہم دردی نہیں رکھتا۔کیونکہ وہ نہ کسی کے بھائی ہیں، نہ بیٹا، نہ چچا۔وہ خود اپنے وجود کے لیے تنہا خطاوار ہیں۔یوں کہیں تو اسرارمیاں کا کردار پورے جاگیردارانہ نظام پر ایک طنز ہے۔وہ اپنے خاندان کے ہرفرد کے لیے ہرلمحہ اپنی جان قربان کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں،لیکن بدلے میں انھیں دو وقت کا کھانا بھی میسر نہیں ہوتا۔کھانے کے نام پر انھیں کریمن بوا سے برا بھلا سننے کو ملتا ہے،لیکن اسرارمیاں ہیں کہ سب کچھ سن کر بھی کبھی لب کشائی نہیں کرتے۔

مجموعی اعتبار سے کہا جائے تو خدیجہ مستور نے آنگن کے کرداروں کی پیشکش میں اپنی فنکارانہ دانشمندی کا ثبوت دیا ہے۔ناول کے کم وبیش تمام کردار زندگی کی سچائیوں سے پوری طرح وابستہ ہیں۔ناول کا کوئی بھی کردار غیرضروری نہیں۔چھوٹے سے چھوٹا کردار بھی ناول کے واقعات میں جان پیدا کرتا ہے۔یوں کہیں تو ناول 'آنگن' کی کردار نگاری نہایت متوازن،مکمل اور پرکشش ہے۔خصوصاً نسوانی کرداروں کی پیش کش میں خدیجہ مستور نے اپنے تخلیقی جوہر دکھائے ہیں۔جس کی ایک بڑی وجہ ان کا اپنے کرداروں کی نفسیات سے بخوبی واقف ہونا ہے۔

ناول میں منظرنگاری ایک اہم جز کی حیثیت رکھتی ہے۔جس کے ذریعے ناول نگار اپنے پیش کردہ موضوع کے مطابق مناظر پیش کرتا ہے، لیکن چونکہ آنگن میں اس کی گنجائش کم ہی ہے لہٰذا خدیجہ مستور نے ناول کے واقعات کے عین مطابق عام انسانی زندگی کی حقیقی تصویر پیش کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔خصوصاً متوسط مسلم گھرانوں کے ماحول اور سماجی حالات کی منظرنگاری میں خدیجہ مستور نے اپنے تخلیقی جوہر کے عمدہ نمونے دکھلائے ہیں۔ناول میں خدیجہ مستور ایسا ہی ایک وہ منظر پیش کرتی ہیں جس میں بڑی چچی اور عالیہ کی ماں چھالیہ کترتے ہوئے دکھائی گئی ہیں جو ایک مسلم معاشرے کی روزمرہ کی زندگی کی حقیقی تصویر کہی جا سکتی ہے۔انسانی زندگی میں روزمرہ کے ایسے مشاغل اپنے جذباتوں کے اظہار یا دکھوں کے مداوا کے طور پر خود کو زیادہ مصروف رکھنے کی شعوری کوشش ہوتی ہے۔خدیجہ مستور نے بڑی چچی اور عالیہ کی والدہ کا چھالیہ کترنے کے منظر کو جاگیردارانہ ماحول اور مٹتی ہوئی مسلم تہذیب کی

علامت کے طور پر پیش کیا ہے۔اقتباس ملاحظہ ہو:

''اماں تخت پر بیٹھی چھالیہ کاٹ رہی تھیں اور بڑی چچی چنے کی دال چن رہی تھیں۔ان کا دکھوں میں گھرا ہوا چہرہ کس قدر کھنڈر ہو رہا تھا سارے درد ان کے چہرے کی رعنائی کو توڑ پھوڑ کر اب بھی اپنا چہرہ نہ چھوڑ رہے تھے۔''

(بحوالہ آزادی کے بعد اردو ناول: ڈاکٹر اسلم آزاد، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس: ۲۰۱۴ء، ص: ۳۰۵)

الغرض یہ کہ ناول کے واقعات کی پیش کش میں حسبِ ضرورت ایسے ہی کچھ مناظر پیش کئے گئے ہیں جو اپنی دلکشی کی بدولت قاری کو اپنا بنا لیتے ہیں۔

مکالمہ کسی بھی ناول کی کامیابی کا اہم جز مانا جاتا ہے ۔ مکالموں کے ذریعے ہی نہ صرف کرداروں کی شخصیت کا پتہ چلتا ہے بلکہ ان کی نفسیاتی کیفیت بھی کھل کر سامنے آ جاتی ہے۔مکالمے ہی وہ اہم ذریعہ ہوتے ہیں جو قاری کو دلچسپی کا سامان عطا کرتے ہیں اور قاری قصے کی گہرائی میں اترتا چلا جاتا ہے۔خدیجہ مستور مکالمہ نگاری کے فن سے بخوبی واقف ہیں۔چنانچہ انہوں نے ناول میں کرداروں کی نفسیات کو ذہن میں رکھتے ہوئے مختصر، چست ، فطری اور برجستہ مکالمے پیش کئے ہیں جن کی بدولت ناول کی فضا اور بھی دلکش اور پرتاثر ہو جاتی ہے۔مثلاً ناول کے ضمنی کردار اسرار میاں جو مرحوم زمیندار صاحب کی ناجائز اولاد ہیں۔گھر کی تمام ذمہ داریاں سنبھالنے کے باوجود انہیں دو وقت کا کھانا بھی ڈھنگ سے نہیں ملتا۔بھوک لگنے پر کریمن بوا کو آواز دے کر کھانا مانگتے ہیں تو ان کی بے بسی اس مکالمے سے محسوس کی جا سکتی ہے:

''اگر سب لوگ کھانا کھا چکے ہوں تو مجھے بھی دے دو۔''

''کریمن بوا کھانا پک گیا؟''

''کریمن بوا اگر سب نے کھا پی لیا ہو تو....؟''

(بحوالہ آزادی کے بعد اردو ناول: ڈاکٹر اسلم آزاد، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس: ۲۰۱۴ء، ص: ۳۰۷)

اسرار میاں کے کردار سے ادا کرایا ہوا یہ مکالمہ اسرار میاں کی شخصیت کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔اسی طرح عالیہ کی والدہ عالیہ سے اس کی دادی کے قصے سناتے ہوئے ان کے زمیندارانہ رسوخ کا بیان اس انداز سے کرتی ہیں اقتباس ملاحظہ ہو:

''ویسے تمھاری دادی کی طبیعت تو گاؤں بھر میں مشہور تھی ان کی سختی کا یہ عالم تھا کہ جب کسی نوکر چاکر سے ناراض ہوتیں تو بٹی ہوئی رسی لے کر اس کی کھال ادھیڑ دیتیں۔'' (۱۰۴)

(بحوالہ: اردو ادب کی خواتین ناول نگار: نیلم فرزانہ، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ص: ۱۶)

خدیجہ مستور نے عالیہ کی والدہ کے چڑچڑے مزاج کی بھی مکالموں کے ذریعے بڑی خوبصورت عکاسی کی ہے ساتھ ہی ان کی زبان سے ایسے طنزیہ جملے ادا کرائے ہیں جو ان کی شخصیت پر پورا اترتے ہیں۔اقتباس ملاحظہ ہو:

''تم بھی اپنے ماموں کی مدد کرو'' اماں نے بڑی حقارت سے صفدر بھائی کی طرف دیکھا تھا۔

''رہنے دو وہ کمزور ہو گیا ہے بخار سے، پھر سفر میں تھک گیا ہے۔'' آپا نے آہستہ سے کہا۔

''وہ تو ہمیشہ ہی تھکا رہتا ہے۔اماں بڑبڑائیں اور پھر جیسے جل کر آپا کے ساتھ سمان کھلوانے لگی۔''

(بحوالہ: اردو ادب کی خواتین ناول نگار: نیلم فرزانہ، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ص: ۹)

صفدر کے ساتھ والدہ کی ان زیادتیوں کے مدِنظر تہمینہ اور عالیہ کے درمیان گفتگو کا یہ اقتباس بھی قابلِ توجہ ہے:

''ہے'' چھچھوڑے تو کتوں کو کھلاتے ہیں ، وہ تھا نا آپا ہمارا چھوٹا سا کتّا ٹامی۔اسے بھی تو چھچھوڑے ابال کر دیے جاتے تھے۔''

(بحوالہ: اردو ادب کی خواتین ناول نگار: نیلم فرزانہ، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ص: ۹)

مختصر یہ کہ خدیجہ مستور کا یہ وہ آنگن ہے جسے پورے ہندوستان کی علامت کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے، لیکن ہندوستان کی سیاسی، سماجی، اور تہذیبی حالات کی تباہ کاریوں نے اس آنگن کو تقسیم کر دیا۔یعنی آنگن میں سیاسی، سماجی، اور مذہبی نفرت کی دیوار تعمیر کر دی گئی اور نفرت کی یہی دیوار دراصل ہندوستان کی تقسیم کی علامت بن گئی جس نے پاکستان کو وجود بخشا۔ چنانچہ خدیجہ مستور کا یہ وہی آنگن ہے جو سیاسی، سماجی اور مذہبی ماحول کی بھینٹ چڑھ گیا۔اسی المیہ کو خدیجہ مستور نے اپنی برشِ قلم کا جامہ پہنایا ہے۔

◆◆◆

◆◆◆